بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْن. نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْن. أَمَّا بَعْدُ:

46-اللہ تعالی کے پیارے اسماء وصفات میں سے صفۃ العفو، والمغفرۃ، والرحمۃ، والعزۃ والقدرۃ کا بیان

العقیدۃ الواسطیۃ لشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ۔ اور جہاں پر رُکے تھے وہیں سے درس کا آغاز کرتے ہیں، شیخ الاسلام رحمہ اللہ اللہ تعالی کی پیاری صفات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِن تُبْدُوا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوهُ أَوْ تَعْفُوا عَن سُوٓءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا﴾(النساء:149)۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام صاحب نے ان پانچ صفات کا ذکر کیا ہے "صفة العفو والمغفرة والرحمة والعزة والقدرة"۔

یہ پانچ صفات ہیں: "صفة العفو"(در گزر کرنا) "المغفرة"(مغفرت کرنا) "الرحمة"(رحم کرنا) "والعزة"(اور عزت کے معنی بتائیں گے تین معنی ہیں جس میں غلبے کا معنی بھی ہے) "والقدرة"(اور قدرت کا ہونا)۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مصنف رحمہ اللہ نے چار آیات بیان کی ہیں ان پانچ صفات کو بیان کرنے کے لیے (چار آیات کریمہ قرآن مجید میں سے بیان کی ہیں ان پانچ صفات کو ثابت کرنے کے لیے):

1-پہلی آیت صفۃ العفو والقدرۃ کے ثبوت کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِن تُبْدُوا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوهُ أَوْ تَعْفُوا عَن سُوٓءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا﴾(النساء:149)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: یعنی اگر آپ خیر کا کوئی عمل کرتے ہیں اور اسے ظاہر کرتے ہیں لوگوں کے لیے یا اسے چھپاتے ہو:

﴿اِنۡ تُبۡدُوۡا خَيۡرًا اَوۡ تُخۡفُوۡهُ﴾: ﴿تُبۡدُوۡا﴾ یعنی ظاہر کرتے ہو، اور ﴿اَوۡ تُخۡفُوۡهُ﴾ یعنی اسے چھپاتے ہو لوگوں سے تو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔

﴿اَوۡ تَعۡفُوۡا عَنۡ سُوۡٓءٍ﴾: یا آپ در گزر کرتے ہو کسی گناہ کرنے والے کی بُرائی سے۔

کسی بُرائی سے اگر آپ در گزر کر دیتے ہو اس کا نتیجہ کیا ہے؟ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيۡرًا﴾: تو بے شک اللہ تعالیٰ خوب در گزر کرنے والا ہے اور بڑی قدرت والا ہے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: در گزر کرنے کے لیے عفو کرنے کے لیے ایک شرط ہے کہ یہ در گزر کرنا عفو کرنے والے کے لیے قابل تعریف تب ہوتا ہے جب اس کے ساتھ اصلاح جڑا ہوا ہو، اگر عفو کے ساتھ اصلاح کا پہلو موجود ہے تو پھر در گزر کرنا جو ہے (معاف کرنا جو ہے) وہ قابل تعریف ہے اچھی بات ہے، اور اگر اصلاح کو پہلو نہ ہو اس کے ساتھ تو پھر اس کی تفصیل ہے (یعنی تین صورتیں شیخ صاحب نے بیان کی ہیں)۔

اچھا اصلاح کو کہاں سے ہم نے لیا ہے؟ سورۃ الشوریٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَمَنۡ عَفَا وَاَصۡلَحَ فَاَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ (الشوریٰ:40) (پس جس نے در گزر کیا اور اصلاح کی ہے تو اس کا اُجر اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے)۔

اس کی تین صورتیں بیان کی ہیں، یعنی جب آپ کسی شخص کو معاف کر دیتے ہیں در گزر کر دیتے ہیں تو اس کی تین صورتیں ہیں:

(ا) پہلی صورت یہ ہے کہ وہ مزید طغیانی پر اُتر آئے گا اور مزید جرم کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔

یعنی کسی شخص نے کوئی بُرائی کی ہے کوئی جرم کیا ہے آپ پر ظلم کیا ہے اور آپ نے اسے معاف کر دیا ہے در گزر کر دیا ہے اپنا حق نہیں لیا ہے آپ کے معاف کرنے سے اس نے اور جرم کیا ہے اُس سے بڑھ کر تو آپ کا معاف کرنا اچھا تھا اِس کے لیے؟ نہیں۔ تو یہ قابل مذمت ہے کب؟ جب اصلاح کا پہلو نہ ہو۔

تو اس میں اصلاح کا پہلو نہیں ہے کیوں؟ کیونکہ اس کا جو ظلم تھا جو طغیانی تھی وہ اور بڑھ گئی ہے تو ایسے لوگوں کو معاف نہیں کرنا چاہیے۔

کیسے پتہ چلے گا؟ یا تو آپ کو علم ہو گا کہ ایسا بندہ ہے، یا آپ کو غلبۃ الظن ہے کہ وہ ایسا کرے گا۔

دیکھیں ہم غیب تو نہیں جانتے نا!

ایک شخص ظلم میں معروف اور مشہور ہے جرم کرتا ہے آپ پر بھی ظلم کیا ہے، آپ معاف کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور بدلہ لینے کی بھی طاقت رکھتے ہیں، یا اپنا حق لینے کی بھی طاقت رکھتے ہیں، آپ نے معاف کر دیا ہے اُس نے مزید اور جرم کیا ہے آپ پر بھی کسی اور پر بھی ظلم کیا ہے تو ایسے شخص کا کہاں سے پتہ چلا؟ اُس کے ریکارڈ سے پتہ چلا ہے کہ بندہ ہی ایسا ہے۔

یا اگر آپ کو نہیں پتہ آپ کو گمان ہے غلبۃ الظن ہے کہ بندہ ایسا کرے گا تب تو معاف نہیں کرنا چاہیے۔

(۲) دوسری صورت شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ معاف کرنا جو ہے آپ کے معاف کرنے سے وہ زیادتی کرنے سے رُک جاتا ہے اور منع ہو جاتا ہے اور شرمندہ ہو جاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس شخص نے مجھے معاف کر دیا ہے اب میں دوبارہ زیادتی نہیں کروں گا اس کے ساتھ نہ کسی اور کے ساتھ میں کوئی زیادتی کروں گا، اور وہ یہ کہتا ہے کہ یہ شخص معاف کرنے والوں میں سے ہے اور میں اور زیادتی کرنے والوں میں سے کیسے ہو سکتا ہوں؟!

تو ایسی صورت میں در گزر کرنا معاف کرنا جو ہے قابل تعریف ہے اور اچھی بات ہے۔

اور شیخ صاحب فرماتے ہیں: "وقد يكون واجبا" (واجب بھی ہو سکتا ہے ایسی صورت میں)۔ کیوں؟ کیونکہ اس میں اصلاح ہوئی ہے کہ نہیں یقینی؟ اصلاح ہے اور اصلاح مطلب شرعی ہے (مطلب یہ ہے)۔

(۳) تیسری صورت کیا ہے؟ کہ آپ کا معاف کرنا در گزر کرنا پَر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا نہ زیادتی میں (نہ وہ زیادہ ہوتا ہے اپنے جرم میں) نہ اس میں کمی ہوتی ہے۔

تیسری صورت میں آپ کے معاف کرنے سے اُس شخص پر کوئی فرق نہیں پڑتا، یعنی وہ ظلم وزیادتی میں زیادہ بھی نہیں کرتا اور نہ اس میں کوئی کمی ہوتی ہے معاف کرنا چاہیے کہ نہیں؟ "فهو أفضل": ایسی صورت میں معاف کرنا افضل ہے واجب نہیں ہے۔

وجہ کیا ہے؟ "لقوله تعالىٰ" اس کی دلیل ہے کہ بہتر ہے معاف کرنا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (اگر آپ معاف کر دیتے ہو تو تقویٰ کے زیادہ قریب ہے) (البقرۃ:237)۔

تو معاف کرنا بھی مطلب شرعی ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَوۡ تَعۡفُوۡا عَنۡ سُوۡٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيۡرًا﴾: اگر آپ درگزر کر دیتے ہیں معاف کر دیتے ہیں کسی شخص کی غلطی پر یا اس کی کسی بُرائی پر تو اللہ تعالیٰ تمہیں بھی معاف کر دے گا۔ یہ کہاں پر ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کر دے گا اس آیت میں تو نہیں ہے؟ آیت میں کیا ہے؟ ﴿اَوۡ تَعۡفُوۡا عَنۡ سُوۡٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيۡرًا﴾: ﴿اَوۡ تَعۡفُوۡا عَنۡ سُوۡٓءٍ﴾ جواب کہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی معاف کرے گا؟ اِس میں ہے؟ دیکھیں آیت کریمہ میں کیا ہے الفاظ دیکھیں ذرا: ﴿اَوۡ تَعۡفُوۡا عَنۡ سُوۡٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيۡرًا﴾ (یا اگر آپ بُرائی کو معاف کر دیتے ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ خوب معاف کرنے والا اور بڑی قدرت والا ہے)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: اگر آپ کسی بُرائی کرنے والے کی بُرائی کو معاف کر دیتے ہو درگزر کر دیتے ہو تو اللہ تعالیٰ بھی تمہیں معاف کر دے گا۔

اس آیت میں یہ لفظ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں معاف کر دے گا؟ یہ الفاظ ہیں؟ نہیں ہیں۔ تو پھر کہاں سے ہم نے حکم لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی معاف کر دے گا؟ آیت کا اختتام کس چیز پر ہے؟ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيۡرًا﴾: غفور ہے اللہ تعالیٰ معاف کرے گا کہ نہیں؟ ﴿عَفُوًّا قَدِيۡرًا﴾: ﴿عَفُوًّا﴾ کس کو اللہ تعالیٰ معاف کرے گا؟ جو خود معاف کرنا پسند کرتا ہے کہ نہیں دوسروں کو واضح ہے نا؟

میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ قرآن مجید میں جو آیات کا اختتام ہے نا اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے تعلق سے اس آیت کا سیاق اور سباق اسی اختتام پر قائم ہے۔

میں نے مثال دی تھی پہلے یاد ہے؟ ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقۡطَعُوۡۤا اَيۡدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ﴾ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ یا غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ؟ ﴿عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ﴾ (المائدۃ:38)۔

غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ کیوں نہیں ہے؟ جب کسی شخص نے غلطی سے غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ پڑھ لیا تو اعرابی نے کیا کہا؟ دوبارہ پڑھو۔ دوبارہ پڑھا اُس نے پھر غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ پڑھ لیا۔ اُس نے کہا کہ یہ کیا پڑھ رہے ہو؟ اُس نے کہا اللہ کا کلام۔ اُس نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہو سکتا! پھر اسے سمجھ آئی کہ میں کہیں پر غلطی کر رہا ہوں پھر پڑھا ﴿عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ۔ کہتا ہے کہ اب تم نے ٹھیک پڑھا ہے "عزَّ فحكَمَ فقطعَ"۔

غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ ہوتا تو ہاتھ کیوں کاٹتا اس کا معاف کر دیا مطلب تو یہ ہے نا! غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ ہے تو مغفرت کر دی ہے درگزر کر دیا ہے معاف کر دیا ہے اس پر رحم کیا ہے تو ہاتھ کیوں کاٹا ہے اس کا؟!

"عزَّ فحكَمَ" (غالب ہے) "فحكَمَ" (فیصلہ کیا ہے) "فقطعَ" (پھر ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے)۔

اب اس آیت کریمہ میں کیا اختتام ہے؟ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا﴾ : اگر آپ معاف کرنا پسند کرتے ہیں آپ درگزر کر دیتے ہیں معاف کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی تمہیں معاف کر دے گا۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: جو معاف کرنا ہوتا ہے نا جو عفو ہوتا ہے وہ تب کمال کا ہوتا ہے جب معاف کرنے والا معاف کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہے عاجز نہیں ہوتا۔

عفو اور قدرت کیوں ساتھ جوڑا ہے مسئلہ یہ ہے ﴿عَفُوًّا قَدِيْرًا﴾؟

ایک انسان معاف کرتا ہے (انسان کی بات ہم کرتے ہیں پہلے) دو قسم کے لوگ ہیں:

(۱) ایک مجبور بھی معاف کر دیتا ہے (مجبور ہے بے چارہ لاچار ہے کمزور ہے) اپنا حق نہیں لے سکتا عجز کی وجہ سے معاف کر دیا، معاف کرنا ہی تھا اُس نے ورنہ جس نے اُس پر ظلم کیا ہے وہ اُس سے زیادہ طاقتور ہے وہ اُس پر اور ظلم و زیادتی کر بیٹھے گا۔ تو عاجز نے معاف کیا ہے اُس کا کمال ہے اس میں؟ مجبوری میں کر دیا ہے۔

(۲) کمال تب ہے جب آپ طاقت بھی رکھتے ہیں، قدرت بھی رکھتے ہیں پھر معاف بھی کرتے ہیں، اور قابل مدح تب ہوتا ہے۔

ایک تو کمال ہے دوسرا قابل تعریف کب ہوتا ہے درگزر کرنا معاف کرنا کسی کو؟ جب آپ معاف کرنے کی طاقت بھی رکھتے ہیں، بدلہ لینے کی طاقت بھی رکھتے ہیں۔

آپ بدلہ لے سکتے ہیں آپ سزا دلوا سکتے ہیں اس کے باوجود بھی آپ نے معاف کر دیا ہے یہ قابل تعریف ہے کہ نہیں؟ قابل مدح اور تعریف ہے یہ۔

اس لیے دیکھیں (سبحان اللہ) اللہ تعالیٰ نے ان دونوں ناموں کو ایک ساتھ جوڑا ہے "العفو اور القدیر"۔

"العفو": شیخ صاحب فرماتے ہیں: "هو المتجاوز عن سيئات عباده" (عفو وہ ہے جو اپنے بندوں کی بُرائیوں کو معاف کر دیتا ہے)۔

غالباً (شیخ صاحب فرماتے ہیں): "أن العفو يكون عن ترك الواجبات": جب کوئی کوتاہی ہو جاتی ہے، دیکھیں برائیاں دو قسم کی ہیں: (۱) ایک تو انسان واجب کو ترک کر دیتا ہے، تو حرام ہے گناہ ہے۔ (۲) دوسری قسم محرمات کا ارتکاب کرنا، کوئی حرام کام انسان کر لیتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

طاعت کس چیز پر قائم ہے؟ دو چیزوں پر نا: (۱) واجبات پر عمل کرنا تعمیل کرنی ہے جو حکم دیا گیا ہے۔ (۲) اور جو محرمات ہیں اُن کا اجتناب کرنا ہے۔

اسے کہتے ہیں نا طاعت اور فرمانبرداری؟

"عفو" شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) غالباً کس لیے ہوتا ہے؟ "عن ترك الواجبات": کہ واجب چھوٹ گیا ہے، غلطی ہو گئی ہے تو در گزر کیا ہے معاف کر دیا ہے۔

"والمغفرة عن فعل المحرمات": مغفرت کب ہوتی ہے؟ جب محرمات کا ارتکاب کیا جاتا ہے پھر معاف کر دیا جاتا ہے۔

(یہ بھی پچھلے درس میں بتایا تھا کچھ فرق اُس میں ایک فرق یہ بھی شامل کر دیں)۔

اور قدیر جو ہے: "ذو القدرة" (قدرت والا) "وهي صفة يتمكن بها الفاعل من الفعل بدون عجز": قدرت کی تعریف بڑی پیاری تعریف ہے اور بالکل واضح ہے: (یہ ایسی صفت ہے جس سے فعل کرنے والا فاعل جو ہے وہ فعل کرتا ہے بغیر عجز کے)۔

اور ان دونوں ناموں میں (العفو اور القدیر میں) دو صفات ہیں اللہ تعالیٰ کی صفات الکمال میں سے "صفة العفو اور صفة القدرة"۔

2-دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی دو پیاری صفات صفات الکمال میں سے بیان ہوئی ہیں "صفة المغفرة اور صفة الرحمة":

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (پس وہ معاف کریں اور درگزر کریں اور صَفح سے کام لیں، کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کردے، اور اللہ تعالیٰ خوب مغفرت کرنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے) (النور: 22)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): یہ قصہ جو ہے "قصة الإفك" جو متفق علیہ احادیث میں موجود ہے (اور اس قصے کا جو خلاصہ بیان کیا ہے شیخ صاحب نے) کہ منافقین نے اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی بدکاری کی اور سچ بات یہ ہے کہ اُن کا اصل مقصد سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) نہیں تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تھی لیکن اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہوا اور انعام اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے پردے کو فاش کیا اور جو انہوں نے تہمت لگائی اُس کی برأت بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کی، اور جس نے سب سے بڑا بیڑا اٹھایا تھا اُس کے تعلق سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (النور: 11): عذاب عظیم اُس کے لیے ہے جس نے اس کی ابتداء کی تھی (اس فتنے کی ابتداء کی تھی) اس تہمت کی ابتداء کی تھی (جو منافقین کا سردار یعنی عبداللہ بن اُبی بن سلول تھا)۔

اور بہت سارے منافقین اس فتنے میں شامل ہوئے اور بعض صحابہ بھی (ان سے غلطی ہوئی بعض صحابہ سے) جو معروف تھے اپنی صلاح میں اُن سے بھی غلطی ہوئی، اُن میں سے ایک صحابی تھے سیدنا مسطح بن اُثاثہ رضی اللہ عنہ جو سیدنا ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے خالہ زاد بھائی تھے، اور (شیخ صاحب فرماتے ہیں) جو قطع رحمی کی سب سے بڑی وجہ میں سے ایک یہ وجہ تھی کہ انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر یہ تہمت لگائی (یعنی صلہ رحمی بھی ہے رشتے داری بھی ہے سیدنا ابو بکر صدیق سے، سیدہ عائشہ سے بھی رشتے داری ہے، اس کے باوجود بھی اُن سے یہ خطاء ہو گئی !)۔

توسیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ وہ جو نان نفقہ اس شخص پر کیا کرتے تھے وہ روک دیں کیونکہ یہ شخص مسکین میں سے تھا مہاجرین میں سے تھا (مسکین تھا فقیر تھا اور سیدنا ابو بکر صدیق اُس پر خرچ کیا کرتے تھے)، تو جب یہ معاملہ

ہوا تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ آج کے بعد اس شخص پر میں کوئی نفقہ نہیں کروں گا اور نہ ہی کوئی مدد کروں گا اس شخص کی۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کیا ہے سورۃ النور میں یہ پورا قصہ موجود ہے اور احادیث میں (متفق علیہ احادیث میں) صحیح بخاری، مسلم میں اور دیگر احادیث کی کتابوں میں یہ قصہ موجود ہے، تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ إلی آخر الآیۃ (النور: 22)۔ اور تم میں سے وہ جو اُولوا الفضل ہیں وہ نہ روکیں (یعنی اپنی مدد جو ہے اور نان نفقہ جو ہے) جنہیں اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے تم میں سے (اہل الفضل جو ہیں) کہ وہ ﴿أُولِي الْقُرْبَىٰ﴾ (رشتے دار) ﴿وَالْمَسَاكِينَ﴾ (مسکین) ﴿وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہجرت کی ہے)۔

اور یہ تینوں صفات سیدنا مسطح پر فٹ ہوتی ہیں: (۱) مہاجرین میں سے ہیں۔ (۲) مساکین میں سے ہیں۔ (۳) اور رشتے داروں میں سے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا﴾ (پس وہ در گزر کر دیں اور صفح سے کام لیں) ﴿أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کر دے اور اللہ تعالیٰ خوب مغفرت کرنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے) (النور: 22)۔

اس میں ایک چیز نوٹ کریں ذرا: ﴿وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا﴾: عفو معنی کیا ہے؟ "عفو" (در گزر کرنا، معاف کرنا)۔ صفح کیا ہوتا ہے ﴿وَلْيَصْفَحُوا﴾؟ ایک در گزر ہوتا ہے لیکن کچھ باقی رہتا ہے۔ میں نے پہلے بتایا تھا کہ عفو میں مغفرت میں ایک فرق یہ ہے کہ مغفرت میں دفن کر دیا، ذکر بھی نہیں (مغفرت، دفن)۔ مِغفَر سے آپ نے ڈھانپ لیا ستر کر لیا، عفو میں در گزر تو کیا لیکن چیزیں باقی ہیں، ﴿وَلْيَصْفَحُوا﴾: آپ نے دفن تو نہیں کیا۔ لیکن صفح کہتے ہیں اس جگہ کو جب آپ چہرہ یوں موڑ لیتے ہیں، یا یوں اس طرف کر لیتے ہیں تو یہ جگہ جو ہے نا گردن کا اور یہ جو گال کا حصہ ہے

چہرے کا اسے صَفح کہتے ہیں۔اس سے لیا گیا ہے کہ آپ نے در گزر بھی کر لیا ہے معاف کر دیا ہے اور اس کا ذکر تک بھی نہیں کیا ہے۔

یعنی مغفرت اور عفو کے بیچ کی ایک اور چیز بھی ہے "الصفح" جو ہے۔

﴿وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا﴾: در گزر بھی کر لیا اور صَفح سے کام بھی لے لیا۔

دوسری بات دیکھیں ذرا: ﴿وَلْيَعْفُوا﴾ "هم"، ﴿وَلْيَصْفَحُوا﴾ "هم" اس میں ضمیر کون سا ہے؟ غائب کا ہے نا "هم"۔

﴿أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ یہ کون سا ضمیر ہے؟ مخاطب ہے۔اسے کیا کہتے ہیں کون سا صیغہ ہے؟ صیغة الالتفات اسے کہتے ہیں،التفات ہو گیا (غائب سے مخاطب تک (حاضر تک) آپ آ گئے ہیں)۔یعنی بات اُن کی ہو رہی تھی وہ دور تھے اب مخاطب ہوئے ہیں براہ راست۔

﴿أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے؟ تو فوراً سیدنا ابو بکر صدیق نے کیا فرمایا؟ ضرور ہم پسند کرتے ہیں۔اور اپنی قسم کا کفارہ کیا اور واپس سیدنا مسطح پر جو مدد تھی جو خرچ تھا جو نفقہ تھا وہ شروع کر دیا۔

دیکھیں ایک آیت اور کتنی بڑی تہمت اور کتنی بڑی آزمائش لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے غصہ بھی ختم! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے نا، حالانکہ یہ حکم نہیں دیا کہ معاف کر دو۔اسلوب کتنا پیارا ہے کہ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے؟! نہیں، پسند کرتے ہیں کیسے پسند نہیں کرتے؟! اب اللہ تعالیٰ معاف کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کی مغفرت کون پسند نہیں کرتا؟!

﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾: (سبحان اللہ)۔غفور اور رحیم یہ لفظ کہاں سے آئے ہیں تھوڑی سی ان پر بات کر لیتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ غفور اور رحیم یہ کیا ہیں؟ عربی زبان میں کیا کہتے ہیں انہیں گرامر کے اعتبار سے؟ صیغ المبالغہ ہے،یعنی بہت ہی زیادہ مغفرت کرنے والا بہت ہی زیادہ رحم کرنے والا۔

یہ لفظ کہاں سے آئے ہیں؟ "غَفَرَ" اصل فعل ہے: "غافر" اسم فاعل ہے: " رحم" فعل ہے: "رَاحِم" اسم فاعل ہے۔

اسم فاعل جو ہے فاعل کے وزن پر ہوتا ہے، فاعل: غافر، رَاحِم۔

غافر غفور کیسے بنا ہے؟ جس نے ایک دفعہ کیا وہ غافر ہے نا، اصل فعل ہے "غفَرَ"۔

جس نے ایک دفعہ مغفرت کر دی غافر ہو گا کہ نہیں؟ ایک دفعہ رحم کیا رَاحِم ہو گا کہ نہیں؟ بار بار کرنے والا، بہت زیادہ کرنے والا اب غافر تو نہ ہوا نا! اب اِس میں اور اُس میں فرق ہے دیکھیں (سبحان اللہ) کہ جو بہت زیادہ کوئی کام کرتا ہے فعل کرتا ہے اس کی صفت بھی ویسے ہی بدل جاتی ہے۔

بہت زیادہ مغفرت کرنے والا اب غافر کہیں گے تو پھر وہ معنی تو نہیں ہوتا نا! تو کیا ہو گا؟ غفور۔ بہت زیادہ رحم کرنے والا رَاحِم تو نہ ہو گا اب اُس سے اوپر والا درجہ کیا ہے؟ رحیم۔

شکر کرنے والا "شاکر"، بہت زیادہ "شکور" صیغ المبالغہ ہے، فعول یا فعیل (سبحان اللہ)۔

تو یہ اصل ہے یہ الفاظ یہاں سے آئے ہیں۔

صفۃ مشبھۃ یا اسم فاعل جو ہے صیغ المبالغہ وہ اسم فاعل سے جو بنی ہوئی ہے اِن دونوں میں اللہ تعالیٰ کی یہ صفت ثابت ہوتی ہے (صفۃ المغفرۃ اور صفۃ الرحمۃ)۔

مغفرت اور رحمت میں فرق پہلے بیان کر چکا ہوں: مغفرت میں دفن کر دیا ہے، اور رحمت میں سزا نہیں دی پکڑا نہیں ہے اور جو اس کے ساتھ مترتّب اُجر ہے وہ بھی مل گیا ہے۔

اس لیے شیخ صاحب فرماتے ہیں: "ففي المغفرة زوال المكروب وآثار الذنب" (مغفرت میں جو تنگی تھی (جو پریشانی تھی جو دقت تھی) وہ ختم ہوئی، جو گناہ کے اثر تھے وہ بھی ختم ہوئے) "وفي الرحمة حصول المطلوب" (اور رحمت میں جو مطلوب تھا وہ بھی حاصل ہو گیا (انسان کیا چاہتا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف بھی کر دے اور اس کو اُجر بھی دے (سبحان اللہ) لیکن اس کی پکڑ نہ ہو سزا سے بھی بچ جائے))، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے حدیث قدسی میں جنت کے تعلق سے: "أَنْتِ رَحْمَتِي أَرْحَمُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ" (تو میری رحمت ہے میں جسے چاہوں اپنی اس رحمت سے نواز دوں)۔ ((تو جنت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے))۔

3- تیسری آیت اللہ تعالیٰ کی صفۃ العزۃ کے ثبوت میں جو شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے بیان کی ہے وہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾ إلى آخر الآية (المنافقون:8)۔

یہ آیت کریمہ جو ہے یہ نازل ہوئی منافقین کے اس قول کے مقابلے میں جب انہوں نے کہا: ﴿لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ﴾: سورۃ المنافقون آیت نمبر 8 میں منافقین نے یہ کہا ہے کہ جب ہم مدینے واپس پہنچیں گے تو ہم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو نکال دے گا مدینے سے۔

تو اُن کا مطلب کیا تھا؟ کہ ہم عزت والے ہیں اور ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کو نکال دیں گے مدینہ کے شہر سے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾:(اصل بات یہ ہے کہ عزت اللہ تعالیٰ کی ہے، اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے، اور مومنین کی ہے)۔

اصل عزت ایمان سے جڑی ہوئی ہے اصل عزت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے اللہ تعالیٰ عطا فرمائے، لوگ دعوے کرتے ہیں گمان کرتے ہیں ان کی ایک سوچ ہے۔ عزت مال میں نہیں ہے، عزت اقتدار میں نہیں ہے، عزت وہ نہیں ہے جو لوگ سمجھتے ہیں۔ عزت کیا ہے؟ کہاں پر ہے؟ کیسے حاصل ہوتی ہے؟ ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾۔

اور یہی ہوا کہ منافقین کی ایسی بُری حالت ہوئی کہ جب بھی کوئی کہیں پر کسی چیز کا ذکر ہوتا کوئی آیت نازل ہوتی عذاب کے تعلق سے یا وعید کے تعلق سے تو وہ ڈر جاتے کہ یہ ہمارے تعلق سے تو نہیں ہے تو ہم پکڑے تو نہیں جائیں گے! ہم بے پردہ تو نہیں ہو جائیں گے ہمارا پردہ فاش تو نہیں ہو جائے گا! ہمارا پتہ تو نہیں چل جائے گا! "يحسبون كل صيحة عليهم" (سبحان اللہ)، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اور جب مومنین سے ملتے تو کہتے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم ایمان والے ہیں (ڈرپوک ہیں بزدل ہیں تو اپنے اس ڈر اور بزدلی کو کس چیز سے چھپاتے ہیں؟ اپنے جھوٹے دعوے سے جو زبان سے کہتے ہیں کہ ہم بھی تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں)، اور جب اپنے مشرکین کے ساتھ جا کر ملتے تو کہتے کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف مذاق کرتے ہیں مومنین سے اور کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں، حقیقتاً ہم ہیں تمہارے ساتھ ہمارے دل تمہارے ساتھ جڑے ہوئے

ہیں (یعنی ہم نے اسلام کو قبول نہیں کیا ہے نہ ہی دل سے یقین کے ساتھ کلمہ پڑھا ہے، زبان سے جھوٹا کلمہ پڑھ لیا ہے اُن کو راضی کرنے کے لیے اپنے آپ کو بچانے کے لیے (سبحان اللہ))۔

تو ذلیل کون ہے؟ دیکھیں ذلت کی انتہا دیکھیں آپ! عزت والا ڈرتا نہیں ہے کیونکہ عزت کا معنی غلبہ بھی آتا ہے، جو غالب ہوتا ہے وہ عزت دار ہوتا ہے (ابھی بتاؤں گا کہ عزت کے تین معنی ہیں اُن میں سے ایک معنی یہ بھی ہے)۔ جو غالب ہے وہ ڈرتا ہے بزدل ہوتا ہے؟!

اس لیے اہل کتاب سے جب مجادلے کی بات آئی سورۃ آل عمران آیت نمبر 64 میں تو اس آیت کے اختتام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾: وہ تمہاری بات نہیں مانتے اپنی گمراہی پر باقی رہنا چاہتے ہیں تو پھر یہ اعلان کردو: ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا﴾ (اگر وہ منہ موڑلیں) ﴿فَقُولُوا﴾ (تو تم یہ کہو) ﴿اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾ (ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں)۔

چھپاؤ نہیں! یہ نہیں کہ دل میں کچھ اور زبان پر کچھ اور! یہ منافقت ہے اور اسلام اور مسلمان اور مومنین اِن سے بَری ہیں۔ یہ طریقہ منافقین کا ہے یہود و نصاریٰ کا ہے، اہل ایمان کا یہ ہر گز طریقہ نہیں ہے۔

تو عزت ہے کہ نہیں اب براہ راست کہتے ہیں: "اگر تم مانتے ہو تو ٹھیک ہے ہمارے بھائی ہو نہیں مانتے ہو اسلام میں داخل نہیں ہوتے ہو تو پھر ہم یہ اعلان کرتے ہیں گواہی دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں"، تم جو چاہو راستہ اختیار کرو تمہاری مرضی ہے جواب تم نے ربّ کو دینا ہے پکڑ تمہاری ہوگی ہم اپنے اسلام پر قائم ہیں۔

منافقین نے کیا کہا؟ جب مومنوں سے ملتے "تو ہم مومن ہیں"، جب مشرکین سے ملتے کہتے "ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم ان کے ساتھ مذاق کرتے ہیں"۔ (سبحان اللہ)، یہ کتنا بڑا فرق ہے دیکھیں!

شیخ صاحب فرماتے ہیں اہل علم کہتے ہیں کہ عزت کی تین قسمیں ہیں: (۱) ایک عزۃ القدر ہے۔ (۲) دوسری عزۃ القھر ہے۔ (۳) تیسری عزۃ الامتناع ہے۔

(۱) عزۃ القدر جس کا معنی ہے عزت یعنی شرف والا بڑائی والا جس کی کوئی مثال نہیں ہے۔

(۲)عزۃ القھر سے مراد یعنی عزۃ الغلبۃ، جو غالب ہے اسے بھی عزیز کہتے ہیں عزت والا کہتے ہیں جیسا کہ سورۃ ص آیت نمبر 23 میں لغت کے اعتبار سے، تو اس شخص نے کہا: ﴿فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ﴾: ننانوے بکریوں والا جو معاملہ تھا اور ایک اُس نے کہا مجھے دے دیں: ﴿فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ﴾: "يعني: غلبني في الخطاب"۔

تو ﴿عَزَّنِي﴾ عزت کا معنی غلبے کا بھی ہے، تو اللہ تعالیٰ عزیز ہے یعنی غالب ہے، ہر چیز پر غالب ہے۔

(۳)اور تیسرا الامتناع: کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کو نقصان نہیں پہنچا سکتی (غالب یعنی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اسے)، اور یہ معنی جو ہے "القوة والصلابة" (شدت اور صلابت سے)، شدت سے معنی لیا گیا ہے۔

تو عزیز: عزت والا شرف والا بھی ہے، عزت والا یعنی غالب بھی ہے، اور عزت والا یعنی طاقتور جسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

اور یہ تینوں معنی جو ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی ثابت ہیں اور یہ صفات الکمال میں سے ہیں، یعنی صفۃ العزۃ جو ہے اللہ تعالیٰ کی کمال قہر اور سلطان کا معنی بھی ہے، اور عزۃ القدر جو کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات جو صفات الکمال ہیں جن کی کوئی مثال نہیں، اور تیسرا جو ہے عزت الامتناع یعنی اللہ تعالیٰ ہر نقص اور عیب سے پاک ہے۔

پھر ﴿وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾: ایک تو اللہ تعالیٰ کی عزت ثابت ہو گئی ہے کہ العزیز اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور عزت صفت ہے، اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومن بھی عزت والے ہیں اور غلبے والے ہیں اُن کا بھی شرف ہے اُن کا بھی غلبہ ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: یاد رکھیں جو عزت اللہ تعالیٰ نے ثابت کی ہے اپنے لیے یہ وہ عزت نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان کے لیے ہے (تشابہ تو ممکن نہیں ہے نا خالق مخلوق کی صفت میں) اور پھر ثبوت کے لیے (یعنی وجہ کیا ہے؟) کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی عزت ہے اس کی کوئی مثال نہیں ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے) اور کامل ہے صفات الکمال ہیں ساری، اسماء اسمائے حسنیٰ ہیں اور صفات صفات الکمال ہیں، اب مخلوق کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کی جو عزت ہے اس میں کمی بھی ہو سکتی ہے

کمزوری پڑ سکتی ہے کیونکہ عزت کے معنی میں طاقت بھی ہے، شرف بھی ہے (شرف تو اپنی جگہ پر رہتا ہے)، اور غلبہ بھی ہے۔

"طاقت اور غلبہ": طاقت کبھی کمزور ہو سکتی ہے کہ نہیں؟ غالب کبھی مغلوب ہو سکتا ہے کہ نہیں مخلوق میں سے؟ مانع ہے کہ نہیں؟

اب اس کی مثال جنگ بدر میں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾ (آل عمران: 123) (اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہاری نصرت کی ہے) ﴿بِبَدْرٍ﴾ (جنگ بدر میں) ﴿وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾: ﴿اَذِلَّةٌ﴾ سے یہاں پر کیا مراد ہے؟ ذلیل مراد نہیں ہے (نعوذ باللہ) یعنی جس کا کوئی شرف نہ ہو۔ ﴿اَذِلَّةٌ﴾ مطلب کیا ہے؟ کہ آپ کمزور تھے ضعیف تھے۔ لیکن لفظ کیا ہے؟ ﴿اَذِلَّةٌ﴾۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾: عزت تو ہے، لیکن یہاں پر ذلت ہے۔

مخلوق کی عزت جو ہے اس میں کبھی کمی پڑ سکتی ہے کبھی کمی آ سکتی ہے، لیکن جو خالق کی عزت ہے وہ ہمیشہ کمال ہے اس میں کبھی کوئی نقص یا عیب یا کمی کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔

اور اسی طریقے سے پھر دوسری مثال جنگ اُحد میں یہی ہوا، پھر جنگ حنین میں بھی یہی ہوا ہے۔ یعنی 12 ہزار تھے جنگ حنین میں اُن میں سے جب ثقیف نے ہر طرف سے تیروں کی بارش شروع کر دی تو عجیب سا ایک ماحول ہو گیا کہ پتہ نہیں تیر کہاں سے آرہا ہے اور 12 ہزار کا یہ جو مجمع تھا وہ پورا پھیل گیا ڈِسبرس (Disburse) ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب صرف سو (100) صحابہ رہ گئے تھے، تو یہ بھی اس عزت کی کمی کی وجہ تھی۔

تو یہ چیزیں یعنی خالق اور مخلوق میں جو فرق ہے عزت کا یہ مختصر ثبوت ملتے ہیں۔

اور یہ قاعدہ ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں اسماء صفات کے باب میں: "کہ دو ناموں کے تماثل میں لازمی نہیں کہ دو ناموں والے بھی ایک جیسے ہوں"۔

نام ہیں اور نام والے ہیں: مخلوق کو دیکھ لیں دو لوگ ہیں دونوں کے نام ایک ہے ہیں دونوں ایک جیسے ہیں؟ کیا اپنی سوچ اپنی بچار اپنی طاقت میں، اٹھنے بیٹھنے میں، اخلاق میں، عبادت میں، تقویٰ میں، خیر میں شَر میں، دونوں برابر ہیں کیا؟ نام دونوں کے یہ بھی خالد ہے یہ بھی خالد ہے، محمد یہ بھی یہ بھی محمد ہے ایک جیسے نہیں ہیں نا؟

تو اسم اور مسمیٰ: "اسم "(نام)" مسمیٰ" (نام والا جو ہے) دونوں میں تماثل اسم کا ہو ایک جیسا ہو مشابہت ہو لیکن ذات میں برابری لازم نہیں ہے۔

اور اسی طریقے سے دو لوگوں کی صفت اگر ایک جیسی ہے اُن میں یہ صفت والے بھی ایک جیسے برابر نہیں ہو سکتے۔

4- چوتھی آیت جو ہے وہ بھی صفۃ العزۃ کے لیے امام صاحب (رحمہ اللہ) نے بیان کی ہے، ابلیس کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ (اے اللہ تعالیٰ! تیری عزت کی قسم میں ان سب کو بہلاؤں گا (یعنی راہ راست سے ہٹادوں گا)) (ص:82)۔

"الباء" قسم کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کی براہ راست قسم نہیں کھائی اور "واللہ" نہیں کہا ابلیس نے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم کھائی ہے، کیونکہ یہاں مقام مقام مبالغہ ہے (زیادہ طاقت اور عزت کا مسئلہ ہے، یعنی وہ عزت جس پر آپ ہمیشہ غالب رہتے ہیں تمام مخلوقات پر) کہ میں بنی آدم کی اولاد میں سے سب کو راہ راست سے ہٹانے کی خوب کوشش کروں گا اور غلاؤں گا سب کو تاکہ وہ راہ راست سے ہٹ جائیں اور بُرائی کا راستہ اختیار کر لیں مگر جن پر میرا بس نہیں چلے گا وہ آپ کے خالص بندے ہیں "إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ"، جو مخلص ہیں اُن پر میرا بس نہیں چلے گا۔

دیکھیں اخلاص کی اہمیت توحید کی اہمیت!

جو اللہ تعالیٰ کے سچے بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں اور اس کا حق ادا کرتے ہیں مخلص ہیں اُن کا ایمان مضبوط ہے شیطان کے حربے ناکام ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے (سبحان اللہ)۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں اپنے ان مخلصین بندوں میں شامل کر دے (آمین)۔

اور سورۃ الحجر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَٰنٌ﴾ (الحجر:42): ابلیس مخاطب ہو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بے شک جو میرے بندے ہیں اُن پر تمہارا کوئی زور نہیں چلے گا۔

شیطان اپنے حربے جتنے بھی استعمال کرلے جو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جو مخلص ہیں شیطان خود کمزور پڑ جاتا ہے اُس کے حربے کمزور پڑ جاتے ہیں (سبحان اللہ)۔

دیکھیں مومن معصوم نہیں ہوتا ایمان میں زیادہ کمی ہوتی ہے نا، یہ عقیدہ ہے اہل سنت والجماعت کا کہ ایمان زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا ہے (بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے کم بھی ہوتا ہے) لیکن جب ایمان مضبوط ہوتا ہے جتنا ایمان مضبوط ہوتا جائے گا اتنا ہی شیطان کے حربے اور اس کا اثر کم ہوتا جائے گا، لیکن جیسے جیسے ایمان کمزور ہوتا جائے گا اور اخلاص میں کبھی کوئی کمی ہو جائے گی ایمان میں کمزوری ہو جائے گی تو شیطان کے حربے اتنے بڑھتے جائیں گے اس کا اثر اتنا زیادہ ہو گا۔

اور اس میں یہ دیکھیں (شیخ صاحب فرماتے ہیں) اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ابلیس (شیطان) بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کا اقرار کرتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں بڑی عجیب سی بات ہے یعنی کہ کئی ایسے لوگ ہیں انسانوں میں سے جو اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرتے ہیں (تمام صفات کا یا بعض صفات کا) تو کیا شیطان ان لوگوں سے زیادہ علم رکھتا ہے زیادہ عقل رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے منکر ہیں ؟! (سبحان اللہ)۔

پھر آخر میں پریکٹکلی (Practically) ہمیں ان صفات جن کا ہم نے ذکر کیا ہے کیا فائدہ ہوتا ہے ؟

یعنی ایک شخص ہے اس کا ایمان ہے ان صفات پر اللہ تعالیٰ کی جو پیاری صفات پانچ بیان کی ہیں، دوسرا جو ہے وہ ان کا انکار کرتا ہے زندگی میں کوئی فرق ہونا چاہیے کہ نہیں ؟

اس کا اثر ہماری زندگی میں اسے کہتے ہیں ''الفائدۃ المسلکیۃ'': مسلک کے اعتبار سے کیا فائدہ ہو گا ہمیں ؟

1-''العفو والصفح'': جب ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ در گزر کرنے والا ہے معاف کرنے والا ہے اس پر قادر بھی ہے عفو اور قدیر ہے (یہ دو نام اللہ تعالیٰ کے اور صفات ہیں العفو والقدرۃ جو ہے) یہ دو صفات ہیں ان سے ہمیں کیا فائدہ ملتا ہے ؟

ہم یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ در گزر کرنے والا ہے اور خوب طاقتور اور قدرت والا بھی ہے تو کیا ہمارے لیے در گزر کرنا معاف کرنا آسان ہو جائے گا کہ نہیں ؟ اور ہمیں یقین ہو گا یا نہیں کہ جب ہم کسی کو معاف کریں گے تو اللہ تعالیٰ بھی ہمیں معاف کرے گا؟

دیکھیں معاف کرنے کی در گزر کرنے کی وہی شرط ہے جو پہلے بتائی ہے وہی تین مختلف صورتیں ہیں ان کے مطابق۔ اور ہمیشہ اس سوچ میں رہتے ہیں کہ اگر ہم سے کبھی کوئی کوتاہی ہو جائے واجبات کی ادائیگی میں تو ان کو درست کر لیا جائے۔

یعنی انسان کو شرم آتی ہے خاص طور پر جو مومن ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ در گزر کرنے والا ہے اور معاف کرنے والا ہے تو وہ اپنا محاسبہ کرتا ہے کہ میں پھر واجبات کی ادائیگی میں کیوں کمی اور کوتاہی سے کام لوں، تو وہ شرمندہ ہوتا ہے اور مزید فرائض کی ادائیگی میں آگے بڑھتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو معاف کرنے والا ہے اور میں بھی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مزید آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ کی ان پیاری صفات سے فائدہ اٹھا سکوں۔

2-"صفۃ العزۃ": کہ اللہ تعالیٰ عزیز ہے، جب ہمیں یہ علم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز ہے اور اس پیاری صفت سے اللہ تعالیٰ متصف ہے تو پھر ہم کوئی بھی ایسا کام کرنے سے رُک جاتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ سے جنگ یا مخالفت کا کوئی سبب یا وجہ ہو۔

مثال کے طور پر، اب دو مثالیں ہیں اس کی جن میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اس قسم کے لوگ جو ہیں وہ جنگ پر اُترے ہوئے ہیں؛

(ا) پہلی مثال ہے سود کی، جو لوگ سود کھاتے ہیں حقیقتاً وہ اللہ تعالیٰ کے اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ پر اُترے ہوئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ (اگر تم سود سے نہیں رُکتے (سود کھانے سے نہیں رُکتے) تو پھر اعلان ہے جنگ کا اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ) (البقرۃ:279)۔

جب ہمیں یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے عزت والا ہے پکڑ بہت سخت ہے تو پھر سود کھانے والا سود کھانے سے پہلے سوچتا ہے کہ میں کس کے حق میں غلطی کرنے جا رہا ہوں کس کے خلاف جنگ کرنے جا رہا ہوں جو عزیز ہے جو غالب ہے؟! تو پھر جو اہل ایمان ہیں وہ رُک جاتے ہیں ڈر پیدا ہو جاتا ہے اور سود کھانے سے رُک جاتے ہیں۔

(۲)دوسری مثال جوڈکیت ہیں ڈکیتیاں کرتے ہیں انہیں کہتے ہیں ''قطع الطريق'' (ڈکیتی کرنے والے)،ان کے تعلق سے بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے کہ یہ بھی جنگ پراُترے ہیں،اللہ تعالیٰ کاارشادہے: ﴿إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا﴾:ان کی جزاء کیاہے؟کیاان کی سزاہے جوجنگ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اور زمین پر فساد برپا کرتے ہیں؟﴿أَن يُقَتَّلُوٓا۟﴾(ان کو قتل کر دیا جائے) ﴿أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟﴾ (یااُن کو سولی پر چڑھایا جائے) ﴿أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ﴾(یاالگ الگ جانب سے اُن کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائیں) ﴿أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ﴾(یااُن کاجلاوطن کیاجائے)(المائدۃ:33)۔

کتنی سزائیں ہیں؟چار(4)۔جرم کیاہے؟ڈکیتی۔

دیکھیں (سبحان اللہ)یعنی انصاف دیکھیں اور بہت سخت سزاہے یہ دیکھیں!جب ڈکیت ڈکیتیاں کرتے ہیں ایک چور تو خفیہ چوری کرتاہے ناُاس کی توہاتھ کاٹنے کی سزاآگئی ہے اب ڈکیت اور چور میں کیافرق ہے؟ڈکیت سامنے آکر آپ پر حملہ کرتاہے اور زبردستی چھین لیتاہے تو یاتو صرف مال لے کر چلا جاتاہے،یاوہ مارتاپیٹتا بھی ہے جھگڑا بھی ہوتاہے لڑائی بھی ہوتی ہے یاقتل بھی کر دیتاہے۔ایساہوتاہے کہ نہیں؟اب چور تو چوری سے خفیہ طریقے سے نکل گیانااپناکام کر کے اس سے کتنے کام متوقع ہیں ڈکیت سے جو محارب ہے(جوفساد برپاکرتے ہیں وہ بھی اس میں شامل ہیں)؟قتل ہوسکتاہے کہ نہیں؟زخم لگ سکتاہے کہ نہیں؟مال تولوٹ لیاناچوری بھی ہوگئی بلکہ چوری سے زیادہ کام اُس نے کیاہے۔جس نے یہ سارے کام کیے ہیں اس کوساری سزائیں ملیں گی۔

جس نے صرف قتل کیاہے؟اس لیے أوہے: ﴿يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ﴾:جس نے کچھ نہیں کیاقتل بھی نہیں کیاہے لیکن اس کی ڈکیتی جووہ کرتاتھاپکڑا گیاہے،یعنی ڈکیتی کی ہے نقصان نہیں پہنچایامال لے کر صرف چلاگیاہے جلاوطن کر سکتے ہیں،ایک یہ سزاہے۔

جس نے مال بھی لیاہے لیکن قتل نہیں کیاہے ہاتھ اور پاؤں مختلف جگہوں سے کاٹ دیئے جائیں۔

سب سے پہلے کیا ہے؟﴿اَنۡ یُّقَتَّلُوۡۤا﴾ قتل بھی ہے (سبحان اللہ)۔

جب پتہ چلے گا اس قسم کے لوگوں کو کہ اللہ تعالیٰ عزیز ہے غالب ہے تو وہ ایسے فساد برپا کرنے سے پہلے سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ نہیں؟ اور رُک جائیں گے کہ نہیں؟ تو مسلکی فائدہ ہے کہ نہیں اس میں؟ (سبحان اللہ) پریکٹکلی (Practically) بھی فائدہ ہے۔

جب ہمیں یقین ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر جیسا کہ یہ پیاری صفات ہیں کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے عزت والا ہے عزیز ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی پکڑ بھی بہت سخت ہے اور اس کی سزا بھی ہے (یعنی دنیا میں یہ سزا ہے آخرت میں کیا ہو گا؟!)۔ جتنا جرم بڑا ہوتا ہے اتنی بڑی سزا ہوتی ہے۔

اچھا دنیا میں بچ گیا سزا سے، پتہ ہے کہ دنیا میں حد قائم ہو جائے تو آخرت میں اس کی پکڑ نہیں ہے (یہ قاعدہ یاد رکھیں)۔ اگر کسی شخص کو جس نے کوئی ایسا جرم کیا ہے جس کی شرعاً حد ہے اور اس پر حد قائم کی گئی ہے دنیا میں آخرت میں اس کا حساب نہیں ہو گا دنیا میں پاک ہو گیا وہ۔

اگر ایسے لوگ جو ہیں وہ بچ جائیں چھپ جائیں کچھ بھی ہو جائے پکڑے نہ گئے ہوں تو عزیز کی عزت اور غلبے اور قہر سے کیسے بچ سکتے ہیں قیامت کے دن؟!

یعنی ایک راستہ ہے صرف بچنے کا وہ کیا ہے؟ توبہ کا راستہ ہے اگر توبہ کر لیتے ہیں تو لازمی نہیں ہے کہ جا کر (ہاں کسی کا حق چھینا ہے تو واپس کریں سچی توبہ کی ہے یعنی) وہ حد قائم کرنے کے لیے اپنے آپ کو حوالے کر دیں۔ نہیں!

خفیہ توبہ کی ہے تو توبہ کر لیں، جس کا حق لیا ہے وہ حق اس کا واپس کر دیں، تاکہ اس کی سچی توبہ جو ہے وہ ثابت ہو جائے۔ اور اگر توبہ نہیں کرتا اور چھپا رہتا ہے تو پھر آخرت میں عزیز کی عزت اور غلبے سے اور قہر سے اور پکڑ سے کیسے بچ سکتا ہے؟! تو سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور یہ کھٹکا دل میں رہتا ہے تکلیف رہتی ہے یہاں تک کہ اگر اس کا کبھی ایمان جاگ گیا اور غالب ہو گیا تو توبہ کر لے گا، اور نہیں (نعوذ باللہ) تو پھر قیامت کے دن اس نے اس کا حساب دینا ہے۔

(۳) اور یہ بھی فائدہ ہے کہ کیونکہ عزت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اور مومنوں کے لیے بھی ہے کہ مومن کی عزت کس چیز سے جڑی ہوئی ہے؟ اس کے دین سے۔ مومن کی عزت جو ہے اس کے دین سے جڑی ہوئی ہے مومن ہمیشہ اپنے دین سے شرف والا بھی ہوتا ہے اور غالب بھی ہوتا ہے۔

دشمن پر غلبہ کس چیز سے ہوتا ہے؟ دین سے ہوتا ہے ایمان سے ہوتا ہے، ایمان کی طاقت سب سے پہلے ہے نا۔
تو یہ بھی فائدہ ہوتا ہے جب ہمیں اللہ تعالیٰ کی اس صفت پر یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز ہے اور اہل ایمان بھی عزت والے ہیں تو پھر اتنا ہی دین کے مومن قریب ہو جاتا ہے اور عزت والا ہو جاتا ہے۔

آج کے درس میں اتنا کافی ہے اگلے درس میں ان شاءاللہ ایک نئے نام سے اور صفت سے درس کا آغاز کریں گے۔

((واللہ أعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضی بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (46.العقیدۃ الواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست نہیں کیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔